ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

(۸)

انقلابِ نبویؐ کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ... ﴾ (سبا : ۲۸)

خاتم النبیین اور آخر المرسلین ہونے کی حیثیت سے آں حضور ﷺ پر نبوّت و رسالت کا صرف اختتام ہی نہیں ہوا بلکہ اتمام و اکمال بھی ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ ایک بعثت خصوصی الیٰ اہلِ عرب اور ایک بعثتِ عمومی پوری نوعِ انسانی کی طرف۔ اگرچہ نظری طور پر تو یہ بھی ممکن تھا کہ آنحضور ﷺ اپنی ان دونوں بعثتوں کے ضمن میں اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کا آغاز بیک وقت فرما دیتے‘ یعنی جیسے ہی آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اپنی رسالت کا دعویٰ ظاہر فرمایا اُسی وقت آپؐ امراء و سلاطین کے نام بھی خطوط ارسال فرما دیتے‘ لیکن آپؐ نے اپنی دعوت و تبلیغ میں جس حکمت اور جس تدریج کو پیش نظر رکھا اس کا یہ نتیجہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ ۶ھ تک جبکہ صلح حدیبیہ واقع ہوئی اور گویا کہ اہل عرب نے نبی اکرم ﷺ کی قوت کو تسلیم کر لیا‘ آنحضور ﷺ نے اپنی تمام تر توجہات اندرونِ ملک عرب مرتکز رکھیں اور بیرونِ ملک عرب اپنی کسی دعوتی کوشش کا آغاز نہیں فرمایا۔ البتہ صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے دعوتی نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے قیصر روم کے نام بھی‘ کسریٰ فارس کے نام بھی اور آس پاس کی دوسری چھوٹی حکومتوں جیسے مقوقس شاہِ مصر‘ نجاشی شاہِ حبشہ‘ رؤسائے یمامہ اور رؤسائے شام کے نام بھی۔

یہ بات واضح رہے کہ روم اور فارس کو گویا اُس وقت کی دو سپرپاورز کی حیثیت حاصل تھی ـــــ آنحضور ﷺ کی اصل اہم سفارتیں انہی دو سلطنتوں کی طرف ارسال

ہوئیں۔ حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصرِ روم کے دربار میں اور حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کسریٰ کے دربار میں بھیجے گئے۔ قیصر اور کسریٰ کا طرزِ عمل ایک دوسرے سے بالکل متضاد سامنے آیا۔ قیصر عیسائی تھا' صاحب علم تھا' وہ جانتا تھا کہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا وقت قریب ہے۔ اس نے نامۂ مبارک کی بھی قدر کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی بھی عزت افزائی کی۔ بلکہ ہمیں تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک بھرپور کوشش کی کہ کسی طرح پوری سلطنت اسی طرح اسلام کو قبول کرلے جیسے ماضی میں پوری سلطنتِ روما نے عیسائیت کو اختیار کیا تھا' تاکہ اس کی بادشاہت اور حکومت کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ لیکن افسوس وہ اس میں ناکام رہا اور یہی بادشاہت' سیادت اور دُنیوی اقتدار اس کے پاؤں کی بیڑی ثابت ہوا اور وہ دولت ایمان سے محروم رہ گیا۔ اس کے برعکس رویہ سامنے آیا کسریٰ کا' اس نے نامۂ مبارک چاک کردیا اور نہایت غیظ و غضب کے عالم میں اپنے یمن کے گورنر بازان کو یہ حکم بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کرکے ہمارے دربار میں پیش کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تبصرہ فرمایا کہ "کسریٰ نے میرا خط چاک نہیں کیا بلکہ اپنی سلطنت کے پرزے کردیئے ہیں"۔ جیسا کہ خلافت راشدہ کے دَور میں یہ پیشین گوئی فی الواقع پوری ہوئی۔ اسی طرح مقوقس شاہِ مصر کی طرف سے بھی ہرقل قیصرِ روم ہی کا سا طرزِ عمل سامنے آیا' بلکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کی تکریم بھی کی اور ہدایا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کئے۔ نجاشی والی حبشہ پہلے ہی ایمان لاچکے تھے۔ الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کا دائرہ اس طرح ملک سے نکل کر اطراف و جوانب کی طرف وسعت اختیار کرگیا۔

اس ضمن میں یہ واقعہ پیش آگیا کہ رؤسائے شام میں سے ایک شخص شُرَحْبِیل بن عمرو غسّانی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت حارث بن عمیر اَزدی رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا۔ یہ تھا واقعہ جس کے نتیجے میں قصاص کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جیش روانہ فرمایا اور یہ گویا کہ تمہید ہوگئی سلطنت روما کے ساتھ ایک مسلح تصادم کی۔ چنانچہ تین ہزار کا ایک لشکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اس قتل کے قصاص کے لئے روانہ کیا' اِدھر سے شُرَحْبِیل بن عمرو ایک لاکھ کا لشکر لے کر چلا۔ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ تین ہزار اور ایک لاکھ

کے مابین ظاہر ہے کہ کسی مقابلہ کا کوئی سوال نہیں تھا! لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو سامنے رکھا کہ ہم تو اصل میں شہادت کے طلب گار ہیں' ہمارے لئے فتح یا شکست بے معنی ہے' ہمیں تو جامِ شہادت نوش کرنا ہے۔ چنانچہ موتہ کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ان کے بعد حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے عَلم سنبھالا۔ وہ بھی شہید ہوئے اور اُن کے جسم پر زخموں کو گنا گیا تو نوے (۹۰) زخم تھے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ انصاری نے عَلم سنبھالا۔ وہ بھی شہید ہوئے۔ ان کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی جنہیں حضور ﷺ نے اس معرکہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کامیابی سے دشمن کے نرغے سے بچالانے پر سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ کا خطاب عطا فرمایا۔ اگرچہ مقابلہ تو بہرحال نہیں ہو سکتا تھا اور عام معنی میں فتح حاصل ہونی عقلاً محال تھی' لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کمالِ تدبیر کے ساتھ اپنے لشکر کو غنیم کے نرغے سے نکال لیا اور واپس تشریف لے آئے۔ جنگ موتہ جو جمادی الاولیٰ ۸ھ میں ہوئی ہے' یہ گویا کہ نبی اکرم ﷺ کی قائم کردہ اسلامی ریاست کا وقت کی ایک عظیم مملکت سلطنت روما کے ساتھ پہلا مسلح تصادم تھا۔

اس کے بعد کچھ خبریں ملنی شروع ہوئیں کہ رومی فوجیں جمع کر رہے ہیں اور حملے کا ارادہ رکھتے ہیں' غسان کے تمام قبائل مجتمع ہو کر مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کے نقشے بنا رہے ہیں' تو نبی اکرم ﷺ نے خود اپنی طرف سے اقدام فرمانے کے لئے تمام مسلمانوں میں ایک نفیر عام کا اعلان کروا دیا۔ یہ وقت گویا کہ بڑا ہی نازک تھا۔ سلطنت روما کے ساتھ ٹکراؤ کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ سلطنت کہ جس کے پاس لاکھوں کی Standing Armies موجود تھیں' جن کی فوجیں پوری طرح تربیت یافتہ اور قواعد حرب سے پورے طور پر آگاہ اور ہر طرح کے اسلحہ سے پورے طور پر مسلح تھیں' ان کے ساتھ مسلح تصادم کا مرحلہ درپیش تھا۔ چنانچہ نفیر عام ہوئی کہ ہر صاحب ایمان کو اس معرکے میں شرکت کے لئے نکلنا ضروری ہے۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں صرف اسی ایک موقع پر نفیر عام ہوئی ہے جسے غزوۂ تبوک یا سفر تبوک کا نام دیا گیا ہے جو ۹ھ میں پیش آیا۔ یہ وہ وقت ہے جب کہ شدید گرمی کا موسم تھا' ایک طویل مسافت طے کرنی تھی' سلطنت روما سے ٹکراؤ تھا' قحط کی کیفیت تھی' اجناس کی کمی تھی' رسد ساتھ لے جانے کے

لئے موجود نہ تھی۔ اُس وقت اہل نفاق کا نفاق پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آیا۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں جہاں اُس وقت کے حالات پر بڑا بھرپور تبصرہ ہے' منافقین کی طرف سے اس ضمن میں جو جو کچھ کہا گیا اس کا پورا ذکر موجود ہے۔

الغرض اہل ایمان نے پورے صبر اور ثبات کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی پکار پر لبیک کہا۔ تیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر نبی اکرم ﷺ نے تبوک کی طرف کوچ کیا جس میں دس ہزار کا رسالہ بھی شامل تھا۔ حضور ﷺ سرحد شام پر پہنچ کر تبوک کے مقام پر قیام پذیر ہوئے اور بیس دن تک وہاں قیام فرما رہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہرقل قیصر روم نے مقابلے سے پہلو تہی اختیار کی' اور اس کا سبب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب علم تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کا نام لیوا' آسمانی کتابوں کو جاننے والا تھا۔ وہ پہچان چکا تھا کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ تو گویا کہ یہ بات اس کے سامنے بالکل واضح تھی کہ اللہ و رسول (ﷺ) سے مقابلہ کرنے کے معنی یقینی شکست کے ہیں' لہٰذا وہ پہلو تہی کرتا رہا' طرح دیتا رہا' مقابلے میں نہ آیا' حالانکہ اس کے پاس لاکھوں کی تعداد میں مسلح فوج موجود تھی۔

تبوک میں حضور ﷺ بیس دن تک قیام فرما رہے۔ آس پاس کے جو بھی قبائل تھے ان کے سردار اور رئیس آ کر حضور ﷺ کے ساتھ اطاعت کا عہد و پیمان کرتے رہے۔ اور اس طرح عرب کی جو ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی اسے گویا کہ جزیرہ نمائے عرب میں پورا استحکام حاصل ہو گیا۔ اس کا رعب پورے عرب پر چھا گیا اور اس کی دھاک اطراف و جوانب پر بیٹھ گئی۔ اور نبی اکرم ﷺ بغیر کسی مسلح تصادم کے مدینہ تشریف لے آئے۔ اس کے بعد اپنے مرضِ وفات میں نبی اکرم ﷺ نے پھر ایک جیش تیار کر رکھا تھا جس کی سرکردگی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دی گئی تھی۔ یہ ہے درحقیقت تمہید اُس تصادم کی جو نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ دُنیوی کے آخری دَور میں وقت کی دو عظیم ترین سلطنتوں کے ساتھ' جس کا آغاز ہو گیا تھا اور یہی بعد میں خلافت راشدہ کے دوران اسلامی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

۹ھ میں نبی اکرم ﷺ نے حج کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج کی حیثیت سے متعین فرما کر روانہ کیا۔ لیکن جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روانہ ہو چکے تھے' سورۂ توبہ کی

ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ گویا کہ حضور ﷺ کو حکم دے دیا گیا کہ اعلانِ عام کر دیا جائے اس حج کے موقع پر تمام مشرکین کے لئے کہ عرب کے تمام وہ لوگ کہ جو شرک پر کاربند رہنا چاہیں' وہ کان کھول سن لیں کہ اب ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کوئی معاہدہ نہیں ہے اور اُن سے کامل براءت ہے۔

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ○ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ط ﴾

(التوبہ : ۱-۳)

"اعلانِ براءت ہے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدے کئے تھے۔ پس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو' اور یہ کہ اللہ منکرینِ حق کو رسوا کرنے والا ہے۔ اعلانِ عام ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کیلئے کہ اللہ مشرکین سے بری الذمّہ ہے اور اس کا رسول بھی۔"

اب ان کو آخری الٹی میٹم دیا جا رہا ہے کہ چار مہینوں کی مدت کے ختم ہونے کے فوراً بعد اُن کے خلاف عام اقدام شروع کر دیا جائے گا۔ اب یا وہ اسلام قبول کر لیں اور اگر کفر اور شرک پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو جزیرہ نمائے عرب کو خیرباد کہہ کر جہاں سینگ سمائیں چلے جائیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ اعلانِ عام کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور ۹ھ کے حج کے موقع پر یہ اعلانِ عام ان قبائل کے وفود کے سامنے کر دیا گیا جو حج کے لئے آئے ہوئے تھے۔

۱۰ھ میں اب بنفسِ نفیس تشریف لاتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے۔ اس حج کے موقع پر معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے کونے کونے سے سوا لاکھ کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے۔ گویا کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی تیئس برس کی محنتِ شاقہ کا حاصل میدانِ عرفات میں جمع ہو گیا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے عرفات میں بھی

خطبہ دیا اور منیٰ میں بھی خطبے ارشاد فرمائے۔ اور ان ہی خطبات کو یکجا کر کے خطبۂ حجتہ الوداع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک جانب تو حضور ﷺ نے ابتداء ہی میں اپنے وصال کی خبر دے دی کہ :

"لوگو! شاید کہ دوبارہ اس مقام پر ملنا نصیب نہ ہو!"

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کو Finishing touches دیئے۔ اہم چیزوں کا دوبارہ اعادہ کیا۔ اسی کے ضمن میں آپؐ نے فرمایا :

"پوری نوعِ انسانی سماجی اعتبار سے بالکل برابر ہے۔ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی فضیلت نہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔"

یہ ہے وہ چیز جس کا بالخصوص ذکر کرتا ہے ایچ جی ویلز اور یہ اعتراف کرتا ہے کہ یہ اصول جو محمدِ عربی (ﷺ) نے بیان فرمایا، یہ محض ایک وعظ نہیں تھا، واقعتاً محمد (ﷺ) نے ان ہی اصولوں پر ایک معاشرہ بالفعل قائم کر دیا۔

خطبے کے آخر میں اب حضور ﷺ نے لوگوں سے ایک سوال کیا :

((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) "لوگو! میں نے پہنچا دیا یا نہیں؟"

اور مجمع عام نے بیک زبان یہ جواب دیا :

اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ

"ہاں حضور ﷺ! ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے حق تبلیغ ادا کر دیا، حق امانت ادا کر دیا، حق نصیحت ادا کر دیا۔"

حضور ﷺ نے تین مرتبہ سوال کیا اور تین ہی مرتبہ پورے مجمع نے یہی جواب دیا اور اس کے بعد آپؐ نے تین مرتبہ انگشت شہادت سے اشارہ کیا اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ اشارہ پہلے آسمان کی طرف اور پھر لوگوں کی طرف کیا اور فرمایا :

((اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ))

"اے اللہ تُو بھی گواہ رہ! اے اللہ تُو بھی گواہ رہ! اے اللہ تُو بھی گواہ رہ!"

یہ گویا کہ عملی تفسیر ہے سورۂ فتح کی اس آیت کے آخری حصّے کی کہ :

(باقی صفحہ ۵۱ پر ملاحظہ کیجئے)